قرآن مجید کا تصور دوستی: ایک تحقیقی مطالعہ

The Quranic Concept of Friendship: A Research Study

Dr. Hafiz Saeed ur Rehman
Assistant Professor, Department of Seerat Sudies,
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Email: saeed.rehman@aiou.edu.pk

Abstract
Friendship is a fundamental pillar of human society, anchored in love, trust, and mutual cooperation. This research article explores the multi-dimensional nature of friendship through the lens of the Holy Quran, positioning it not merely as a social contract but as an ethical, ideological, and purposeful bond. The study provides a comprehensive linguistic and conceptual analysis of Quranic terms such as Wali (Protector/Friend), Sadiq (Truthful Friend), Rafeeq (Kind Companion), Khalil (Intimate Friend), Batanah (Confidant), and Akhdan (Secret/Illicit Companions), elucidating the nuanced meanings and contexts assigned to each.
The core of the research identifies Faith (Iman), God-consciousness (Taqwa), and Virtuous Character (Akhlaq-e-Hasana) as the essential foundations of Quranic friendship. It emphasizes that true friendship must align with a shared life purpose—devotion to the Creator and success in the hereafter—asserting that relationships devoid of these spiritual anchors are transitory and will transform into enmity on the Day of Judgment.
Furthermore, the article examines the divine paradigm of friendship (Wilayah), detailing God's role as the Protector of the believers, characterized by guidance, support, and spiritual tranquility. It also discusses the profound bond between the Prophet (PBUH) and the believers, and the collective brotherhood (Ukhuwwah) that transcends racial, linguistic, and economic barriers. By contrasting Quranic ideals with contemporary social trends, such as "boyfriend/girlfriend" culture (categorized under the prohibited Akhdan), the study underscores the contemporary relevance of Islamic ethical frameworks in fostering stable and meaningful human relationships.
Keywords: Brotherhood, Companionship, Friendship, Khalil, Quranic Concept of friendship, Rafeeq, Sadiq , Taqwa,Wali

دوستی انسانی معاشرت کی ایک بنیادی قدر ہے جو محبت، اعتماد، خیر خواہی اور باہمی تعاون پر قائم ہوتی ہے۔ فرد کی اخلاقی تشکیل، ذہنی سکون اور سماجی استحکام میں دوستی کا کردار نہایت اہم ہے۔ دوستی ایک ہمہ جہت انسانی رشتہ ہے جو لغوی اعتبار سے صدق، اخلاقی اعتبار سے اخلاص، سماجی اعتبار سے تعاون، نفسیاتی اعتبار سے جذباتی سکون اور اسلامی اعتبار سے تقویٰ اور خیر خواہی پر قائم ہوتا ہے۔ حقیقی دوستی وہی ہے جو انسان کو اخلاقی بلندی اور فلاحِ آخرت کی طرف لے جائے۔ دو لوگوں کے باطن اور اندر کا ایک دوسرے کے ساتھ محبت پر ایسا اتفاق جس میں ان کا باطن ان کے ظاہر کی طرح سچا ہو دوستی کہلاتا ہے۔ اس لیے دوستی کو عربی میں صداقۃ جبکہ دوست کو صدیق کہتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں ہم یہ مطالعہ کریں گے کہ قرآنِ مجید میں دوستی کا معیار کیا ہے؟ کن بنیادوں پر قرآن بعض دوستیوں کو مباح قرار دیتا ہے اور بعض کو رد کرتا ہے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآنِ مجید میں دوستی کے تصور کو واضح کیا جائے۔ قرآنی اصطلاحاتِ دوستی کا مفہومی تجزیہ کیا جائے اور محمود و ممنوع دوستیوں کی قرآنی تقسیم کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنی تصورِ دوستی کی عصری معنویت کو واضح کیا جائے۔

قرآنِ مجید دوستی کو محض ایک سماجی تعلق نہیں بلکہ ایک اخلاقی، اعتقادی اور مقصدی رشتہ قرار دیتا ہے۔ دوستی کے لیے قرآن مجید میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں ولی، صدیق، رفیق، بطانۃ، خلیل اور اخدان شامل ہیں۔ یہ الفاظ مختلف طرح کی دوستیوں کو بیان کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں دوستی کے لیے مذکور الفاظ کا معنی و مفہوم

ولی

لفظ "ولی" اپنی اصل اور مادے کے اعتبار سے کسی چیز میں قربت اور نزدیکی کے معنی کو بیان کرتا ہے۔ عام طور پر اس کا معنی دوست کیا جاتا ہے کیونکہ دوستی میں بھی قربت ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں یہ مادہ دیگر کئی معانی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے مگر ہر معنی میں قربت بہر صورت ملحوظ خاطر ہے۔ ابن فارس کے بقول یہ مادہ بنیادی طور پر کسی چیز کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کے مختلف امور کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ بوجہ قربت اس کا ولی کہلاتا ہے[1]۔ علامہ جرجانی فرماتے ہیں کہ "ولی" فعیل کے وزن پر ہے اور بطور فاعل و مفعول دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ بطور فاعل استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے؛ وہ شخص جو نافرمانی کیے بغیر مسلسل اللہ کی اطاعت کرے۔ بطور مفعول استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے؛ وہ شخص جس پر اللہ کا احسان اور فضل مسلسل جاری ہو۔ اصطلاح میں ولی وہ ہے جو ممکنہ حد تک اطاعت خداوندی میں ثابت قدم رہتے ہوئے اللہ تعالی اور

اس کی صفات کی معرفت رکھنے والا، گناہوں سے بچنے والا اور لذتوں و خواہشات میں مشغول ہونے سے منہ موڑنے والا ہو[2]۔ یہ در حقیقت اللہ کا حقیقی دوست ہوتا ہے۔ اس طرح کی دوستی ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔

کلام الٰہی میں لفظ "ولی" مختلف طرح کی قربتوں کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے؛

(الف) اللہ کی اپنے بندوں کے ساتھ قربت اور دوستی

(ب) انسانوں کی اللہ کے ساتھ قربت اور دوستی

(ج) مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربت اور دوستی

(د) مسلمانوں کی مسلمانوں کے ساتھ اور کفار کی کفار کے ساتھ قربت اور دوستی

(د) انسانوں کی شیاطین سے قربت اور دوستی۔

صَدِیق

قرآن پاک نے دوست کے لیے صدیق کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ علامہ صحاری فرماتے ہیں کہ لفظ صَدِیق، صدق بمعنی سچائی سے ماخوذ ہے[3]۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ دوست کو صدیق کہنے کی دو وجوہات ہیں۔ اول؛ کیونکہ دوست ایک دوسرے کے ساتھ محبت میں سچے ہوتے ہیں۔ دوم: ایک دوست کا باطن دوسرے دوست کے باطن کے موافق ہوتا ہے جیسے کہ ایک کا ظاہر دوسرے کے ظاہر کے موافق ہوتا ہے[4]۔ یہ لفظ قرآن پاک میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ دوست مراد ہے[5]۔ ان میں سے ایک مقام پر صدیق کے ساتھ حمیم کی صفت استعمال کی گئی ہے۔ بقول مقاتل بن سلیمان، صدیق حمیم انتہائی قریب اور شفیق دوست کو کہتے ہیں[6]۔ ماوردی فرماتے ہیں: حم الشيء تب بولا جاتا ہے جب کوئی چیز قریب ہو جائے۔ اسی سے بخار کو بھی حمی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انسان کو موت کے قریب کر دیتا ہے[7]۔

رفیق

رفق کا معنی کسی کے ساتھ نرمی والا معاملہ کرنا اور نرم پہلو رکھنا ہے۔ علامہ فراہیدی فرماتے ہیں کہ نرمی برتنے والے کو رفیق کہتے ہیں۔ جب بہت سے لوگ ہم سفر ہوتے ہیں تو ان پر رُفْقَة کا لفظ بولا جاتا ہے جب تک کہ وہ منتشر نہ ہوں[8]۔ بطال رکبی فرماتے ہیں کہ دوست کو رفیق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دوست کے ساتھ نرمی والا معاملہ کرتا ہے اور اس کے امور کو درست رکھتا ہے[9]۔ علامہ نسفی فرماتے ہیں: لفظ رفیق اگرچہ مفرد ہے مگر جمع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہل عرب تین مفرد الفاظ کو جمع کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جن میں رفیق، برید اور رسول شامل ہیں[10]۔

اخدان

خِدْن اور خَدِین کا معنی خفیہ دوست ہے۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مرد و عورت دونوں کے بولا جاتا ہے۔ اس کا زیادہ استعمال اس دوستی کے لیے ہوتا ہے جس میں شہوت کار فرما ہو[11]۔ طبری فرماتے ہیں کہ یہ ایسی دوستی ہے جس میں مرد عورت اللہ تعالی کی معصیت پر ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھے ہوئے ہوں[12]۔ ابن منظور فرماتے ہیں کہ کسی لونڈی کے خدن سے مراد اس کا وہ دوست ہے جو اس کے ساتھ بات چیت کرتا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی لونڈیوں کے اخدان کو بات چیت کرنے سے منع نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے اس سلسلے کو روک دیا[13]۔ ابن عباس فرماتے ہیں: خدن کسی عورت کے اس دوست کو کہتے ہیں جو چھپ کر اس سے بدکاری کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس طرح کی دوستیاں ہوتی تھیں[14]۔ قرآن پاک نے اس تناظر میں مسافح کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ علامہ ماتریدی فرماتے ہیں کہ مسافح اور خدن میں فرق یہ ہے کہ مسافح اس مرد کو کہتے ہیں جو ہر دستیاب عورت سے بدکاری کرے، اسی طرح مسافحہ اس عورت کو کہتے ہیں جو ہر دستیاب مرد سے بدکاری کرے جبکہ مخادنات وہ عورتیں ہیں جو صرف اپنے اخدان کے ساتھ ہی بدکاری کرتی ہیں[15]۔

قرآن پاک میں یہ لفظ دو مقامات پر جمع کے صیغے کی شکل میں آزاد محصنات اور لونڈیوں کے ساتھ نکاح کے تناظر میں استعمال ہوا ہے[16]۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اسلام نے ایسی لونڈی سے نکاح کرنے سے منع کیا ہے جس نے معصیت کے لیے خفیہ دوست رکھا ہوا ہو[17]۔ علامہ سمرقندی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ علانیہ بدکاری کرنے والوں (مسافحین) کو عار دلاتے تھے جبکہ چھپ کر بدکاری کرنے والوں (مخادنین) کو برا نہ جانتے ہوئے عار نہیں دلاتے تھے۔ اللہ تعالی نے علانیہ اور مخفی دونوں بدکاریوں کو حرام قرار دیا[18]۔ عصر حاضر میں اس کی جدید شکل بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کا کلچر ہے۔

خلیل

خلیل خُلَّة سے مشتق ہے۔ بقول ابن منظور یہ اس محبت اور دوستی کو کہتے ہیں جو دل میں نفوذ کر جائے اور دل کے باطن تک اتر جائے[19]۔ ابن ابی زمنین فرماتے ہیں کہ خلۃ ایسی محبت کو کہتے ہیں جس میں کوئی خلل نہ ہو[20]۔ ابن کمال پاشا فرماتے ہیں کہ خلۃ ایسی محبت اور چاہت ہے جو نفس میں بسیرا کر کے خلط ملط ہو جائے[21]۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کا خلیل کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ابراہیمؑ کے ساتھ تام محبت کی جس میں کوئی نقص نہیں تھا اور ابراہیمؑ کو اپنے بندوں میں سے کامل طریقے سے چنا[22]۔

بطانۃ

قرآن نے دوستی کے لیے بطانۃ کا لفاظ بھی استعمال کیا ہے۔ ابن درید فرماتے ہیں کہ بطانۃ مشتق ہے بطن سے جس کا معنی پوشیدہ چیز ہے[23]۔ ابن منظور فرماتے ہیں کہ بطانۃ اس لباس کو کہتے ہیں جو عام کپڑوں کے نیچے پہنا جاتا ہے اور لوگ اسے چھپا کر رکھتے ہیں[24]۔ صاحب بن عباد کہتے ہیں کہ دوستی کے باب میں ہم راز اور بھیدی کو بطانۃ کہتے ہیں[25]۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ دوست کو بطور تشبیہ "بطانہ" کہا گیا ہے۔ جس طرح بطانۃ (بدن کے اندرونی کپڑے) انسان کے قریب ترین ہوتے ہیں، بدن کے اسرار سے صرف وہی واقف ہوتے ہیں اور انہیں ان چیزوں کا بھی پتہ ہوتا ہے جنہیں انسان قریب و بعید میں سے ہر ایک سے چھپانا چاہتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو اپنے دوست کے بہت قریب ہو اور اسے بھید اور راز تک معلوم ہوں اسے بھی بطانۃ کہتے ہیں[26]۔ ابن حبان روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی خلیفہ بنایا مگر اس کے ساتھ دو بطانۃ تھے۔ ایک بطانۃ اسے خیر کا حکم دیتا تھا اور اس پر ابھارتا تھا۔ دوسرا بطانہ اسے شر کا حکم دیتا تھا اور اس پر ابھارتا تھا۔ معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بچالے[27]۔

قرآنی تصورِ دوستی کی اساس

قرآنِ مجید کے مطابق دوستی محض جذباتی قربت، خاندانی تعلق یا وقتی مفاد کا نام نہیں بلکہ یہ ایک اعتقادی، اخلاقی اور مقصدی وابستگی ہے۔ قرآن کے نزدیک حقیقی دوستی وہ ہے جو انسان کی فکر، عمل اور سمتِ حیات کو درست کرے۔ اسی لیے قرآن نے دوستی کی چند بنیادی اساسات متعین کی ہیں جن کے بغیر کوئی تعلق حقیقی دوستی کے درجے تک نہیں پہنچتا۔

ایمان

قرآنِ مجید کے مطابق دوستی کی سب سے بنیادی شرط ایمان ہے۔ ایمان وہ بنیاد ہے جو انسانوں کو محض ظاہری قربت کے بجائے فکری اور روحانی سطح پر جوڑتی ہے۔ اسی لیے قرآن اہلِ ایمان کی باہمی دوستی کو فطری اور لازم قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے؛﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[28]("حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں")۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ایمان تعلقات کو محض دوستی نہیں بلکہ اخوت میں بدل دیتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن ایسے تعلقات کو دوستی کا درجہ دینے سے روکتا ہے جو ایمان کے مقابلے میں کسی اور وفاداری کو ترجیح دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛﴿لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[29] ("اے ایمان والو!

مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ") یہ ممانعت عمومی حسنِ سلوک یا معاشرتی تعلق کے خلاف نہیں بلکہ اعتقادی وفاداری کے حوالے سے ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر دوستی قرآنی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ وہ تعلقات جو ذاتی فائدے، دنیاوی مفاد یا وقتی جذبات پر قائم ہوں وہ حقیقی دوستی نہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے ہیں مگر آخرت میں ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے: ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ﴾[30] ("پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے")۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک دوستی کی اصل قدر ایمان سے جڑی ہوئی ہے۔

تقویٰ

ایمان کے بعد قرآن نے دوستی کی بنیاد تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ تقویٰ انسان کو اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا شعور دیتا ہے جس کے بغیر دوستی مفاد، خود غرضی یا ظلم کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[31] ("درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو")۔ یہ اصول دوستی پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ حقیقی قربت اور احترام کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ نسب، دولت یا سماجی حیثیت۔ مزید برآں قرآن دوستی اور تعاون کو تقویٰ کے دائرے میں محدود کرتا ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[32] ("اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو")۔ یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اگر دوستی گناہ یا ظلم پر مبنی ہو تو وہ قرآنی تصور کے مطابق دوستی نہیں بلکہ فساد ہے۔

اخلاق حسنہ

قرآنِ مجید میں ایمان اور تقویٰ کا لازمی نتیجہ اخلاقِ حسنہ ہے اور یہی اخلاق دوستی کی عملی شکل بن جاتے ہیں۔ قرآن ایسی دوستی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو خیر خواہی، عدل، وفاداری اور نصیحت پر قائم ہو۔ قرآن اہلِ ایمان کی صفت بیان کرتا ہے: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[33] ("وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں")۔ یہ باہمی رحم، محبت اور اخلاقی ہمدردی ہی دراصل دوستی کا حقیقی مظہر ہے۔ اسی طرح قرآن دوستی کے نام پر بے جا رعایت یا ناانصافی کو رد کرتا ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾[34] ("اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصافی کرو۔")۔ یہ آیت اس اصول کو قائم کرتی ہے کہ دوستی بھی عدل اور اخلاق کے تابع ہے۔

مقصدِ حیات کی یکسانیت

قرآن کے نزدیک حقیقی دوستی وہ ہے جس کا مقصدِ حیات مشترک ہو یعنی اللہ کی بندگی اور آخرت کی کامیابی۔ جن لوگوں کے مقاصدِ زندگی مختلف یا متضاد ہوں ان کی دوستی وقتی اور ناپائیدار ہوتی ہے۔ قرآن قیامت کے منظر میں فرماتا ہے:﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾[35]("اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے")۔ یہ آیت نہایت جامع انداز میں واضح کرتی ہے کہ وہ دوستی جو تقویٰ اور مشترک مقصدِ حیات پر قائم نہ ہو آخرت میں دشمنی میں بدل جائے گی۔

مطلوب و محمود دوستیاں

اللہ رب العزت کی مومنین سے دوستی

اللہ تعالیٰ تمام مومنین و متقین کا دوست ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی مومنین کے ساتھ دوستی سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی مومنین کا مددگار و معاون ہے اور اپنی خصوصی توفیق سے ان کا خیال رکھتا ہے[36]۔ ابن عجیبہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور ان کے امور کی نگہبانی کرتا ہے[37]۔ سخاوی فرماتے ہیں کہ اللہ ان کے مصالح کا خیال رکھتا ہے[38]۔ نظام الدین نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اللہ انہیں خیر کے کاموں کی توفیق دیتا ہے اور سیدھے رستے پر چلنے کے لیے رہنمائی کرتا ہے[39]۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اللہ انہیں نیکی کا اس طرح بہترین بدلہ دیتا ہے جیسا کہ ایک اچھا دوست کرتا ہے[40]۔

اللہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہوئے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے کر جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ﴾[41]("اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے")۔

اللہ کی دوستی کا نمایاں مظہر حفاظت اور نصرت ہے۔ قرآنِ مجید واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدافعت خود فرماتا ہے:﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾[42]("بے شک اللہ ان لوگوں سے (دشمنوں کو) دور کرتا ہے جو ایمان لائے")۔ یہ دفاع صرف ظاہری دشمنوں کے مقابل نہیں بلکہ فکری لغزشوں، اخلاقی گمراہی اور نفسانی حملوں سے بھی حفاظت پر مشتمل ہے۔ قرآنی تناظر میں اللہ کی نصرت کا مطلب یہ نہیں کہ مومن کو کبھی آزمائش پیش نہیں آتی بلکہ یہ کہ آزمائش میں اللہ کی تائید شامل ہوتی ہے اور انجام کار فتحِ حق نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اہلِ ایمان کو خوف کے ماحول میں بھی ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتا ہے کیونکہ ان کا ولی خود اللہ

ہے۔ اللہ سے دوستی کے باعث آدمی اپنے دشمنوں بچا رہتا ہے کیونکہ اس کی طرف سے اللہ ہی اس کے دشمنوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴾[43] ("اور اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہیں بطور دوست اور مددگار کے")۔

اللہ کی دوستی کا ایک بڑا مظہر نفسیاتی اور روحانی اطمینان ہے جسے قرآن خوف و حزن سے نجات کے عنوان سے بیان کرتا ہے: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[44] ("یاد رکھو! جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے")۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مستقبل کا خوف اور ماضی کا غم اولیاءِ اللہ پر غالب نہیں آتا۔ یہ کیفیت دنیاوی سہولتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ پر کامل اعتماد، تقدیر پر رضا اور آخرت کی یقین دہانی کا ثمر ہے۔ عصرِ حاضر میں جہاں اضطراب، بے چینی اور خوف عام ہیں وہاں اللہ کی دوستی مومن کو ایک داخلی استحکام عطا کرتی ہے جو بیرونی حالات سے متاثر نہیں ہوتا۔

اللہ کی دوستی کا ایک اہم مظہر قلبی سکون ہے، جو ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[45] ("سنو! کہ دل اللہ کی یاد ہی سے اطمینان پاتے ہیں")۔ یہ سکون وقتی خوشی نہیں، نفسیاتی فریب نہیں یا دنیاوی کامیابی کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کی قربت کا فطری اثر ہے۔ قرآن کے مطابق جس دل میں اللہ کی یاد زندہ ہو وہاں حرص کم ہو جاتی ہے، حسد اور خوف دب جاتے ہیں اور یقین و رضا پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی سکون مومن کو مشکلات میں بھی متوازن رکھتا ہے۔

اللہ کی دوستی کا دائرہ

قرآنِ مجید اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ اللہ کی دوستی عام اور غیر مشروط نہیں بلکہ مخصوص اوصاف سے وابستہ ہے: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾[46] ("یاد رکھو! جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یاد رکھو! جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔")۔ اس آیت میں اللہ کی دوستی کے لیے دو بنیادی شرائط بیان کی گئی ہیں: ایمان اور تقوی۔ ایمان محض زبانی اقرار نہیں بلکہ اللہ پر کامل یقین، رسول ﷺ کی اتباع اور وحی کی بالادستی کو تسلیم کرنے کا نام ہے۔ بغیر ایمان کے اللہ کی دوستی اور ولایت کا دعویٰ محض خود فریبی ہے۔ تقویٰ ایمان کا عملی اظہار ہے۔ قرآن اس نکتے کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کی دوستی دعوؤں، نسبتوں یا خاندانی تعلقات سے حاصل نہیں ہوتی۔ نہ نسب، نہ نسل، نہ قومیت اور نہ ہی محض روحانی دعوے ولایتِ الٰہی کا معیار ہیں بلکہ عملی تقویٰ ہی اصل معیار ہے۔

مومنین کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی

قرآنِ مجید میں دوستی کا تصور یک رُخی نہیں بلکہ دوطرفہ تعلق ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی بنتا ہے اور دوسری طرف مومن اللہ کو اپنا ولی تسلیم کرتا ہے۔ مومن کی طرف سے اللہ کے ساتھ دوستی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ محض زبانی طور پر اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اپنا سب سے بڑا سہارا سمجھے، ہر معاملے میں اسی پر اعتماد کرے، اس کے حکم کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے اور اس کی رضا کو مقصدِ حیات بنا لے۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآن عبودیتِ شعوری اور ولایتِ اختیاری قرار دیتا ہے۔

اللہ سے دوستی کوئی مجرد احساس نہیں بلکہ ایک عملی طرزِ زندگی ہے، جس کے چند بنیادی تقاضے ہیں: اللہ سے دوستی کا پہلا اور بنیادی تقاضا اطاعت ہے۔ اطاعتِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو حتمی معیار مانا جائے، حلال و حرام کی حد بندی تسلیم کی جائے اور خواہشات یا معاشرتی دباؤ کے مقابلے میں وحی کو ترجیح دی جائے۔

اللہ سے دوستی کا دوسرا عملی تقاضا توکل ہے یعنی اسباب اختیار کرنے کے بعد دل کا اعتماد صرف اللہ پر ہو۔ توکل کا مطلب اسباب کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ اسباب کو بے اختیار سمجھنا ہے۔ عصرِ حاضر میں جہاں انسان طاقت، سرمایہ اور تعلقات پر اعتماد کرتا ہے، قرآن مومن کو سکھاتا ہے کہ اصل سہارا اللہ ہے۔ یہی توکل مومن کو خوف، بے یقینی اور اضطراب سے نجات دیتا ہے۔

اللہ سے دوستی کا تیسرا اہم تقاضا محبت میں ترجیح ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ مومن کی سب سے گہری محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾[47] ("اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں")۔ یہ محبت جذباتی نعرہ نہیں بلکہ ترجیحی فیصلہ ہے یعنی جہاں اللہ کی رضا ہو وہاں خواہش قربان ہو اور جہاں حکمِ الٰہی ہو وہاں دنیاوی نقصان قبول ہو۔ یہی محبت مومن کو قربانی، صبر اور استقامت کی قوت عطا کرتی ہے۔

مسلمانوں کی اللہ کے رسول ﷺ سے دوستی

قران مجید میں مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ سے دوستی کا ذکر بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوستی میں مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور جبریلؑ بھی شریک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾[48] ("ان کا ساتھی اللہ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں")۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور نیک لوگ ہی تمہارے حقیقی دوست ہو سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾[49]("تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں")۔

مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ سے دوستی دراصل کوئی اضافی یا اختیاری تعلق نہیں بلکہ ایمان کی بنیاد اور اس کی تکمیل ہے۔ قرآنِ مجید میں رسول اللہ ﷺ سے تعلق کو اللہ تعالیٰ سے تعلق کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾[50]("تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں")۔ یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ رسول ﷺ سے دوستی، اطاعت اور وابستگی دراصل اللہ کی اطاعت ہی کا ایک مظہر ہے۔ یوں رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ایمان کی عملی شکل بن جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے دوستی کی بنیاد محبت ہے، قرآن نے اس محبت کو دعوے کے بجائے اتباع سے مشروط کیا ہے:﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[51]("فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا")۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول ﷺ سے محبت محض جذباتی کیفیت نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی پیروی کا تقاضا کرتی ہے۔ یہی اتباع، دوستی کو حقیقی اور بامقصد بناتی ہے۔

قرآنِ مجید نے رسول ﷺ کو مومنین کے لیے محض ایک رہنما نہیں بلکہ ان کے سب سے زیادہ قریبی خیر خواہ کے طور پر پیش کیا ہے:﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾[52]("ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں")۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول ﷺ سے دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ مومن اپنی خواہش، رائے اور مفاد پر رسول ﷺ کے حکم کو مقدم رکھے۔ یہی ترجیح ایمان کی صداقت کا معیار ہے۔

قرآنِ مجید نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوستی کو آپ ﷺ کی نصرت اور حمایت سے جوڑا ہے:﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾[53]("تاکہ ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ان کے رسول پر اور مدد کرو ان کی اور تعظیم کرو ان کی") یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول ﷺ سے دوستی محض قلبی تعلق نہیں بلکہ آپ ﷺ کے مشن کی عملی تائید اور دفاع کا تقاضا بھی کرتی ہے۔

مومنین کی باہمی دوستی

قرآنِ مجید نے اسلامی معاشرے کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے ان میں مومنین کی باہمی دوستی اور اخوت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ دوستی محض ذاتی پسند، نسلی وابستگی یا وقتی مفاد پر قائم نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ

اور مشترک مقصدِ حیات پر استوار ہے۔ قرآن نے اہلِ ایمان کے تعلق کو دوستی کے بجائے اخوت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو ذمہ دارانہ تعلق کی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[54] ("حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں")۔ لفظ إِنَّمَا حصر کے لیے ہے جو اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ایمان لازماً اخوت کو جنم دیتا ہے۔ اس اخوت میں نسل، زبان، وطن اور معاشی تفاوت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ سب مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہی ایمانی اخوت مومنین کی باہمی دوستی کا نظریاتی سرچشمہ ہے۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق مومنین کی باہمی دوستی کی ایک بنیاد دین اسلام کے لیے سرانجام دیے جانے والے مشترکہ اعمال میں موافقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾[55] ("بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ہجرت کی ہے اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی ہے اور (مہاجرین کے ساتھ) مدد کی ہے وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں")۔

اسی طرح مومنین کی باہمی دوستی کی ایک بنیاد باہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں موافقت بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾[56] ("اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں")۔

قرآن مومنین کی باہمی دوستی کو محبت اور رحم کے جذبات سے مزین کرتا ہے: ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[57] ("وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں")۔ یہ رحم اور شفقت مومنین کے تعلق کو محض قانونی یا رسمی نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے دلوں کا رشتہ بنا دیتی ہے۔

مومنین کی باہمی دوستی کا ایک اہم پہلو تعاون ہے، جو نیکی اور تقویٰ کے دائرے میں ہوتا ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾[58] ("اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو")۔ یہ تعاون معاشرتی فلاح، دینی استحکام اور اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے، اور امت کو انتشار سے محفوظ رکھتا ہے۔

قرآن مومنین کی باہمی دوستی کو اختلافات کے باوجود برقرار رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر نزاع پیدا ہو جائے تو اصلاح کا حکم دیتا ہے: ﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾[59] ("پس تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ")۔ یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ وقتی اختلاف اخوت اور دوستی کو ختم نہیں کرتا بلکہ اصلاح اس کا تقاضا ہے۔

قرآن مومنین کو تفرقہ سے روکتا ہے اور اتحاد کا حکم دیتا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[60] ("اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تم تفرقے میں نہ پڑو")۔ یہ اجتماعی وابستگی مومنین کی باہمی دوستی کو ایک مضبوط امت میں ڈھال دیتی ہے جو بیرونی دباؤ اور داخلی کمزوریوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

الغرض مومنین کی باہمی دوستی قرآنِ مجید کے نزدیک ایک ایمانی فریضہ ہے، جو اخوت، ولایت، محبت، تعاون اور اصلاح پر قائم ہے۔ یہ دوستی نہ صرف فرد کی اخلاقی تربیت کرتی ہے بلکہ ایک مضبوط، متحد اور پر امن اسلامی معاشرے کی تشکیل کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ قرآن کا یہی تصور امت کو محض افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور مقصدی جماعت بناتا ہے۔

مومنین کے لیے ممنوع دوستیاں

قرآنِ مجید نے جہاں مومنین کے لیے پسندیدہ دوستیوں کی وضاحت کی ہے، وہیں بعض تعلقات کو واضح طور پر ممنوع بھی قرار دیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض دوستیاں انسان کے ایمان، فکر اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ذیل میں اس طرح کی دوستیوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

کفار کے ساتھ قلبی دوستی

قرآن پاک نے مسلمانوں کے لیے دنیوی و اخروی خسارے کا باعث بننے والی دوستیوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ ایک مومن کے بجائے کسی کافر سے دوستی کرے اور قلبی تعلق رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا﴾[61] ("اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کو واضح ثبوت دے دو")۔ تاہم اگر صورتحال ایسی ہو کہ کسی کافر سے دوستی نہ کرنے کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں قلبی تعلق رکھے بغیر بقدر ضرورت دوستی کی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾[62] ("مسلمان اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں مگر ان (کے شر) سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو (تو عارضی طور پر ایسا کر سکتے ہو")۔

اسی طرح یہود و نصاری کے ساتھ قلبی تعلق اور دوستی بھی ممنوع ہے کیونکہ وہ فطرتاً کسی مسلمان کے ساتھ کبھی سچی دوستی نہیں کرتے اور اگر پھر بھی کوئی مسلمان یہ دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں ظالم ٹھہرے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[63] ("اے ایمان والو! یہود و نصاری کو دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو انہیں دوست بنائے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا")۔

کفار سے دوستی کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دوستی مسلمانوں کو اسلام سے پھیر سکتی ہے کیونکہ کفار کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[64] ("ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ")۔

اسی طرح چونکہ کافروں سے دوستی رکھنے والا شخص عزت دار نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالی نے اسے ممنوع قرار دیا۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾[65] ("جو مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں، حالانکہ تمام تر عزت تو اللہ کے اختیار میں ہے")۔

کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ فسق کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾[66] ("اور اگر ہوتے وہ ایمان لانے والے اللہ اور اس نبی پر اور جو اترا ان کی طرف تو وہ کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر بہت سے ان میں فاسق ہیں")۔

غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن پاک میں تحریف اور دین میں کمپرومائز کا مطالبہ کرتے ہیں اور فتنہ کا باعث بنتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا﴾[67] ("اور (اے پیغمبر) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے")۔

دین اسلام کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ دوستی

جو لوگ دین کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے ساتھ بھی دوستی ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ﴾[68]("اے ایمان والو! ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ہے ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور نہ کفار کو")۔

مسلمانوں کے دشمنوں سے دوستی

وہ لوگ جو اللہ تعالی اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کے خلاف جنگی جنون رکھتے ہیں اور اس کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہیں ان سے دوستی کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ دوستی مسلمانوں کے دفاعی راز افشا کرنے کا باعث بنے گی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ فتح مکہ سے قبل پیش آیا تھا جس میں ایک صحابی نے اہل مکہ کے ساتھ اپنی دوستی میں انہیں جنگی راز دینے کی کوشش کی تھی جس پر اللہ تعالی نے فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ﴾[69]("اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس دین ہی سے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے")۔

اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کی تباہی کے لیے سرگرم عمل ہیں اور اس کا زبانی اظہار بھی کر رہے ہیں ان کے ساتھ بھی دوستی کرنا ممنوع ہے: ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾[70]("اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ۔ دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو۔ انکی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے")۔

مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے بے دخل کرنے والوں سے دوستی

جو لوگ لڑائی کر کے مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے نکال دیں یا نکالنے میں مدد کریں تو ان کے ساتھ دوستی کرنا ظلم ہے اس لیے ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[71]

("اللہ تمہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی، اور جو ان سے دوستی کریں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں")۔

کفر کے دلدادہ رشتہ داروں سے دوستی

اسی طرح اگر کسی مسلمان کے آباواجداد اور رشتہ دار کفر کے دلدادہ ہوں تو ان کے ساتھ دوستی رکھنا بھی ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ﴾[72]("اے ایمان والو اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں")۔

معصیت وفجور کے لیے دوستی

مسلمانوں کے لیے ممنوع دوستیوں میں ایک وہ دوستی ہے جو مسلمان مرد کسی عورت سے اور مسلمان عورت کسی مرد سے بدکاری اور معصیت کے لیے کرے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾[73] ("اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ ان کا حق مہر دے دو، اور ان سے باقاعدہ نکاح کرو، نہ کھلی بدکاری کرو اور نہ چھپی دوستی")۔ اسی طرح ارشافرمایا:﴿وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾[74]("اور ادا کر دو دستور کے موافق ان کے مہر اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ چوری چھپے دوست بنانے والی ہوں")۔ موجودہ دور میں اس طرح کے تعلقات کی نئی شکل بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کی صورت میں ہے۔

الغرض قرآنِ مجید کے مطابق مومنین کے لیے ممنوع دوستیاں وہ ہیں جو ایمان کو کمزور کریں، تقویٰ کے خلاف ہوں، گناہ اور ظلم میں معاون بنیں یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت پر قائم ہوں۔ اسلام مومنین کو معاشرے سے کاٹتا نہیں، بلکہ انہیں ایمانی بصیرت عطا کرتا ہے تاکہ وہ تعلقات میں فرق کر سکیں۔ یوں قرآنی ممانعت کا مقصد نفرت نہیں بلکہ ایمان کا تحفظ، اخلاق کی حفاظت اور امت کی فکری سلامتی ہے۔

کفار، یہود و نصاریٰ اور گمراہ لوگوں کی باہمی دوستیاں

قرآن پاک نے کفار کی باہمی دوستیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں اور یہ طبعاً مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہوتے ہیں اس لیے ان کے مقابلے میں اگر مسلمان ایک دوسرے سے دوستی نہیں

کریں گے فتنہ ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴾[75] ("اور کفر کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد پھیل جائے گا")۔

اسی طرح یہود و نصاری کی بھی آپس میں دوستی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾[76] ("اے ایمان والو! یہود و نصاری کو دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو انہیں دوست بنائے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا")۔

قرآن کے مطابق دنیا میں موجود کفار کی دوستیاں قیامت والے دن ختم ہو جائیں گی اور اس دن ان کی دوستی ایک دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾[77] ("جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد پہنچے گی")۔

کفار جہنم میں اپنی دنیا کی دوستیوں کی بے ثباتی کا رونا روئیں گے جسے قرآن نے ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ (100) وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴾[78] (نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو ہمیں کسی قسم کی سفارش کرنے والے میسر ہیں۔ اور نہ کوئی ایسا دوست جو ہمدردی کر سکے۔)

دنیا میں جن کفار کی آپس میں بہت گہری دوستیاں ہیں قیامت والے دن وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴾[79] (اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے۔)

شیطان کے دوست

قرآن پاک میں شیطان کی دوستیوں کا تذکرہ بھی ہے۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ شیطان کے دوستوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اللہ کی تکذیب کرتے ہیں اور شیطان کی بھرپور مدد کرتے ہیں[80]۔ شیطان کی دوستیوں کا بنیادی مقصد اہل حق کو کسی طریقے سے گمراہ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دوستوں کو مسلمانوں سے مجادلہ کرنے کے لیے پیغام رسانی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ [81] ("اور بیشک شیاطین تو اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑیں")۔ چونکہ شیطان کا بنیادی کام ہی اہل حق کو گمراہ کرنا ہے اس لیے وہ لوگوں کو دوست بناتا ہے اور پھر ان کے برے اعمال اچھے کر کے دکھاتا ہے جس سے وہ مزید گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری

تعالی ہے:﴿تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[82] ("اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف گروہوں کی طرف پیغمبر بھیجے، پھر شیطان نے ان کے سامنے ان کی بداعمالیوں کو خوشنما کر کے دکھادیا، تو آج بھی شیطان ہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے")۔

شیطان اپنے دوستوں کو لمبی لمبی امیدیں دلاتا ہے جس کے باعث وہ عملی کام کرنے کے بجائے خواہشات کی نذر ہو جاتے ہیں اور خسارہ اٹھاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا (119) يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾[83] ("اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ وہ تو ان سے وعدے کرتا اور انھیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے جبکہ شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں")۔

اسی طرح شیطان کی دوستی انسا کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾[84] ("ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے")۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس قدر تم میں استطاعت ہے شیطان کے دوستوں کی مخالفت کرو[85]۔

قرآن کے تصورِ دوستی کی عصری معنویت

قرآنِ مجید کا تصورِ دوستی محض اخلاقی نصیحت یا روحانی ہدایت تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک جامع فکری، سماجی اور تہذیبی اصول ہے۔ قرآن دوستی کو انسان کی شناخت، ترجیحات اور وفاداریوں سے جوڑتا ہے اس لیے ہر دور میں اس تصور کی تطبیق نئے سوالات اور نئے چیلنجز کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

عصرِ حاضر میں دوستی اب محض بالمشافہ تعلق تک محدود نہیں رہی بلکہ سوشل میڈیا فرینڈز اور آن لائن کمیونٹیز کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ دوستی کے تناظر میں قرآن پاک کا اصول یہ ہے:﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾[86] ("اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے")۔ یعنی دوستی ایسی ہو جو دین و دنیا دونوں کے لیے بہتر اور فائدہ مند ہو۔ اس آیت کی روشنی میں عصرِ حاضر میں سوال یہ نہیں کہ دوست کتنے ہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ تعلق تقویٰ کی طرف لے جارہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ دوستی فکر، اخلاق اور عمل کو بہتر بنارہی ہے؟ ڈیجیٹل قربت و دوستی بھی قلبی اثر رکھتی ہے، اس لیے اس میں بھی ایمان اور اخلاق کو معیار بنانا لازم ہے۔ کفار کے ساتھ قلبی دوستی اور پھر ان کی گناہ پر مبنی پوسٹوں کو لائیک اور شیئر کرنا کسی بھی صورت

درست نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان بھی گناہ پر مبنی پوسٹیں شیئر کرتا ہے تو ایسے شخص کا فرینڈ بننا، اس کی پوسٹوں کو لائیک اور شیئر کرنا قطعاً درست نہیں۔

عصرِ حاضر میں دوستی اکثر قومیت، سیاسی جماعت اور نظریاتی بلاک کی بنیاد پر بنتی ہے۔ قرآن کا اصول یہاں واضح ہے: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾[87] ("تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول ہیں")۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان سیاست یا قومیت سے لاتعلق ہو جائے بلکہ یہ کہ سیاسی وفاداری ایمان کے تابع ہو اور نظریاتی ہم آہنگی ایمان کے خلاف نہ جائے۔

عصرِ حاضر میں مسلمان کثیر المذہبی معاشروں میں رہتے ہیں۔ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کیا قرآن کا تصورِ دوستی غیر مسلموں سے ہر قسم کا تعلق منع کرتا ہے؟ اس سلسلے میں قرآنی تطبیق ہمیں توازن سکھاتی ہے: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ﴾[88] ("اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتے، جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔")۔ عصرِ حاضر میں اس کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ سماجی، تعلیمی اور انسانی سطح پر تعاون جائز ہے مگر فکری و اعتقادی وفاداری ایمان کے ساتھ خاص رہے گی۔ یہ فرق نہ سمجھنے سے یا تو شدت پسندی پیدا ہوتی ہے یا فکری انحلال۔

کارپوریٹ کلچر میں دوستی اکثر مفاد، طاقت اور اثر پر قائم ہوتی ہے۔ قرآن نے اس رویے کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[89] ("اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو")۔ عصرِ حاضر میں اس کا اطلاق یہ ہے کہ حرام کمائی، کرپشن اور استحصال پر قائم کاروباری شراکت داری **قرآنی تصورِ دوستی کے منافی** ہے چاہے وہ کتنی ہی کامیاب کیوں نہ ہو۔

عصرِ حاضر میں اکثر خاندانی روایت، سماجی دباؤ اور طبقاتی مفاد ایمان پر غالب آ جاتے ہیں۔ قرآن واضح کرتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ﴾[90] ("اے ایمان والو اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں")۔ اس کی عصری تطبیق یہ ہے کہ خاندانی تعلق باقی رہے مگر فکری وفاداری ایمان کے تابع ہو۔ یہ فرق مٹ جائے تو مومن اپنی قرآنی شناخت کھو دیتا ہے۔

نوجوانوں کی شخصیت زیادہ تر دوستوں اور رول ماڈلز سے متاثر ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی آج کے نوجوان کے لیے یہ ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ﴾[91] ("آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رہیے جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں")۔ عصرِ حاضر میں اس کا مطلب نیک صحبت کی تلاش، کردار ساز دوستی اور فکری ہم آہنگی ہے، نہ کہ صرف تفریحی یا فیشن پر مبنی تعلق۔

عصرِ حاضر میں مسلمان ریاستیں اور امت عالمی طاقتوں اور بین الاقوامی اتحادوں سے وابستہ ہیں۔ قرآن کا تصورِ دوستی یہاں **اخلاقی اصول** مہیا کرتا ہے؛ عدل پر مبنی تعلقات، ظلم میں عدم تعاون اور امت کے مفاد کو مقدم رکھنا۔ یہی قرآنی توازن ہے۔ مسلمان ریاستیں عصر حاضر میں عالمی نظام سے نہ تو مکمل علیحدگی اختیار کریں کہ نظام مفلوج ہو جائے اور نہ اندھی وابستگی اور دوستی رکھیں کہ اخلاقی اصول بھی پامال ہو جائیں۔

الغرض عصرِ حاضر میں قرآن کا تصورِ دوستی ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر قربت دوستی نہیں، ہر تعلق وفاداری نہیں اور ہر وفاداری جائز نہیں۔ قرآن دوستی کو ایمان، تقویٰ، اخلاق اور مقصدِ حیات سے جوڑتا ہے۔ یہ تصور مومن کو فکری استحکام، اخلاقی بصیرت اور تہذیبی خود اعتمادی عطا کرتا ہے جو عصرِ حاضر کے فکری انتشار میں سب سے بڑی ضرورت ہے۔

حواشی

[1] أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكريا (ت 395 ھ)، معجم مقاييس اللغة،تحقيق : عبد السلام محمد هارون (مصر: شركه مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده)، ج6،ص141۔

[2] علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (ت 816ھ)، كتاب التعريفات، ط : اولى (بيروت: دار الكتب العلمية بيروت، 1403ھ-1983ء) ، ص 254۔

[3] سَلَمة بن مُسْلِم العَوْتبي الصُحَاري، الإبانة في اللغة العربية، تحقيق: د عبد الكريم خليفة، د نصرت عبد الرحمن، د صلاح جرار، د محمد حسن عواد، د جاسر أبو صفية ، ط: اولى (مسقط:وزارة التراث القومي والثقافة، 1420 ھ - 1999 ء)، ج3ص342۔

[4] أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الماوردي (ت 450ھ)، النكت والعيون، تحقيق: السيد ابن عبد المقصود بن عبد الرحيم(بيروت: دار الكتب العلمية)، ج4ص124۔

[5] النور: 61، الشعراء: 101

[6] أبو الحسن مقاتل بن سليمان بن بشير الأزدي البلخى (ت 150ھ)، 8تفسير مقاتل بن سليمان، تحقيق: عبد الله محمود شحاته، ط: اولى (بيروت: دار إحياء التراث ، 1423 ھ)،ج3ص271۔

[7] الماوردي،النكت والعيون،ج4ص178۔

[8] أبو عبد الرحمن الخليل بن أحمد بن عمرو بن تميم الفراهيدي البصري (ت 170ھ)، كتاب العين، تحقيق:د مهدي المخزومي، د إبراهيم السامرائي (بيروت: دار ومكتبة الهلال)، ج5ص149۔

[9] محمد بن أحمد بن محمد بن سليمان بن بطال الركبي، أبو عبد الله، بطال (ت 633ھ)، النَّظْمُ الْمُسْتَعْذَبُ فِي تفْسِيرِ غرِيبِ أَلْفَاظِ المهَذّبِ، تحقيق: د. مصطفى عبد الحفيظ سَالِم (مكه:المكتبة التجارية، 1988 ء، 1991 ء)، ج1ص189۔

[10] نجم الدين عمر بن محمد بن أحمد النسفي الحنفي (461 - 537 ھ)، التيسير في التفسير، تحقيق: ماهر أديب حبوش، وآخرون، ط: اولىٰ(اسطنبول: دار اللباب للدراسات وتحقيق التراث، 1440 ھ - 2019 ء)، ج5ص100۔

[11] أبو القاسم الحسين بن محمد ،الراغب الأصفهانى (ت 502ھ)، المفردات في غريب القرآن، تحقيق:صفوان عدنان الداودي، ط: اولىٰ(دمشق ،بيروت: دار القلم، الدار الشامية ، 1412ھ)، ص277۔

[12] أبو جعفر محمد بن جرير الطبري (224 - 310 ھ)، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، تحقيق: د عبد الله بن عبد المحسن التركي، ط: اولىٰ (القاهرة: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان ، 1422ھ)، ج6ص605۔

[13] محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى (ت 711ھ)، لسان العرب، ط: ثالثه (بيروت:دار صادر،1414ھ)، ج13ص 139۔

[14] شمس الدين أحمد بن سليمان بن كمال باشا الرومي الحنفي (ت 940 ھ)، تفسير ابن كمال باشا، تحقيق: ماهر أديب حبوش، ط: اولىٰ (اسطنبول:مكتبة الإرشاد، 2018ء)، ج3ص249۔

[15] محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (ت 333ھ)، تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة)، تحقيق:د. مجدي باسلوم، ط: اولىٰ(بيروت: دار الكتب العلمية ، 2005ء)، ج3ص114۔

[16] النساء: 25،المائدة: 5

[17] أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (700 - 774 ھ)، تفسير القرآن العظيم، تحقيق: حكمت بن بشير بن ياسين، ط: اولىٰ(سعودى عرب:دار ابن الجوزي للنشر والتوزيع ، 1431ھ)، ج3ص63۔

[18] أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (ت 373ھ)، بحر العلوم، ج1ص371۔

[19] ابن منظور، لسان العرب، ج11ص217۔

[20] أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن عيسى بن محمد المري، الإلبيري، ابن أبي زَمَنِين المالكي (ت 399هـ)، تفسير القرآن العزيز، تحقيق: أبو عبد الله حسين بن عكاشة - محمد بن مصطفى الكنز، ط: اولیٰ(قاہرہ:الفاروق الحديثة ، 2002)، ج1ص409۔

[21] ابن كمال پاشا، تفسیر ابن كمال باشا، ج3ص 182۔

[22] التفسير الوسيط للقرآن الكريم ، لجنة من العلماء بإشراف مجمع البحوث الإسلامية بالأزهر، ط: اولیٰ(مصر: الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية، 1414ھ)، ج2ص917۔

[23] أبو بكر محمد بن الحسن بن دريد الأزدي (ت 321هـ)، جمهرة اللغة، تحقيق: رمزي منير بعلبكي، ط: اولیٰ(بيروت: دار العلم للملايين، 1987ء)، ج1ص360۔

[24] ابن منظور،لسان العرب، ج13ص56۔

[25] كافي الكفاة، الصاحب، إسماعيل بن عباد (326 - 385 هـ)، المحيط في اللغة، تحقيق: محمد حسن آل ياسين، ط: اولیٰ(بيروت: عالم الكتب، 1994 ء)، ج9ص192۔

[26] طبری، جامع البيان عن تأويل آي القرآن،ج7ص138۔

[27] محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد التميمي، أبو حاتم البستي(354هـ)، صحيح ابن حبان: التقاسيم والأنواع، تحقيق: محمد علي سونمز، خالص آي دمير، ط: اولیٰ(بيروت: دار ابن حزم ، 2012 ء)، رقم الحديث:3108، ج4 ص96۔

[28] الحجرات: 10

[29] النساء: 144

[30] العنكبوت: 25

[31] الحجرات: 13

[32] المائده: 2

[33] الفتح: 29

[34] المائده: 8

[35] الزخرف: 67

[36] طبری ، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، ج5 ص424۔

[37] أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي بن عجيبة الحسني الأنجري الفاسي الصوفي (ت 1224هـ)، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، تحقيق:أحمد عبد الله القرشي رسلان (قاہرہ: الدكتور حسن عباس زكي، 1419ھ)، ج1ص 289۔

[38] أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الصمد علم الدين السخاوي المصري الشافعي (ت 643 هـ)، تفسير القرآن العظيم، تحقيق: د موسى علي موسى مسعود، د أشرف محمد بن عبد الله القصاص، ط: اولیٰ (مصر: دار النشر للجامعات، 2009 ء)، ج1 ص143۔

[39] نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابوري (ت 850ھ)، غرائب القرآن ورغائب الفرقان ، تحقيق:الشيخ زكريا عميرات، ط: اولیٰ(بيروت:دار الكتب العلميه ، 1416 ھ)،ج2، ص182۔

[40] أبو الفضل شهاب الدين السيد محمود الألوسي البغدادي (ت 1270 ھ)، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ط: اولیٰ(بيروت:دار الكتب العلمية، 1994ء)، ج2ص190۔

[41] البقرة: 257

[42] الحج: 38

[43] النساء: 45

[44] يونس: 62

[45] الرعد: 28

[46] يونس: 62-63

[47] البقره: 165

[48] التحريم: 4

[49] المائدة: 55

[50] النساء: 80

[51] آلِ عمران: 31

[52] الأحزاب: 6

[53] الفتح: 9

[54] الحجرات: 10

[55] الأنفال: 72

[56] التوبة: 71

[57] الفتح: 29

[58] المائده: 2

[59] الحجرات: 10

[60] آلِ عمران: 103

[61] النساء: 144

[62] آلِ عمران: 28

[63] المائدة: 51

[64] النساء: 89

[65] النساء: 1

[66] المائده: 81

[67] الإسراء: 73

[68] المائدہ: 57

[69] الممتحنہ: 1

[70] آلِ عمران: 118

[71] الممتحنہ: 9

[72] التوبہ: 23

[73] المائدۃ: 5

[74] النساء: 25

[75] الأنفال: 73

[76] المائدۃ: 51

[77] الدخان: 41

[78] الشعراء: 100-101

[79] الزخرف: 67

[80] طبری، تفسیرج8ص546۔

[81] **الأنعام: 121**

[82] **النحل: 63**

[83] النساء: 119-120

[84] الأعراف: 27

[85] طبرانی ، معجم، 4: 253 ؛ ح 4122۔

[86] الزخرف: 67

[87] المائدۃ: 55

[88] الممتحنۃ: 8

[89] المائدہ: 2

[90] التوبہ: 23

[91] الکھف: 28